تبصرۂ کتب

سیرۃ المصطفیٰ

(تعارف)

حافظ محمد یٰسین بٹ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ابتدائے نبوت ہی سے انکے اصحاب کی غیر معمولی توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔ آپؐ کی حیات پاک ہی میں یہ دستور شروع ہو گیا تھا کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملتا تو وہ اس سے آپ کے حالات دریافت کرتا۔ اس لئے یہ کہنا درست ہو گا کہ عہد نبوت و رسالت ہی میں سیرت نگاری کی ابتداء ہو گئی لیکن اسے تصنیف و تالیف کے قالب میں ڈھالنے کی ابتداء محمد بن مسلم بن شہاب الزہری نے کی ان کو تابعی ہونے کا شرف حاصل تھا، ۱۲۴ ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔ سیرت کے حوالہ سے انہوں نے جو کچھ لکھا وہ بعد میں آنے والوں تک نہ پہنچ سکا۔

ان کی علمی جستجو اور کاوش نے اہل علم میں سیرت نگاری کا شوق پیدا کر دیا اور ان کی علمی مجلس سے موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ) اور محمد بن اسحاق (م ۱۵۰ھ) جیسے فخر روزگار افراد اٹھے، جنہوں نے سیرت نگاری میں نام پیدا کیا اور بعد میں آنے والا کوئی سیرت نگار ایسا نہ رہا جس نے بلا واسطہ یا بالواسطہ ان دونوں حضرات سے استفادہ نہ کیا ہو اور اس طرح عہد تابعین سے باضابطہ سیرت نگاری کی ابتداء ہو گئی۔

اردو میں سیرت نگاری کی ابتداء اسی وقت سے ہوئی جس وقت سے اردو زبان عالم وجود میں آئی۔ عام محققین اس کا زمانہ آٹھویں صدی ہجری متعین کرتے ہیں۔ (۱)

بحمد اللہ اردو میں سیرت نگاری کا تسلسل قائم ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ عربی زبان کے بعد سیرت رسول علی صاحبہا الصلوۃ والسلام پر جتنا کام اردو میں ہوا ہے اتنا کسی بھی زبان میں نہیں ہوا تو مبالغہ نہ ہو گا۔

اردو زبان میں سیرت رسول پر کتنا کام ہوا یہ ہمارا موضوع نہیں صرف ربط اور تعارف کی خاطر چند سطریں لکھیں۔ موضوع بحث ہے چودھویں صدی ہجری کے معروف و ممتاز عالم دین مولانا محمد ادریس کاندھلوی (م ۔ ۱۹۷۴ء/۱۳۹۴ھ) کی تصنیف کردہ کتاب سیرۃ المصطفیٰ (۲)

سیرۃ المصطفیٰ کا زمانہ تالیف ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۸ء کا درمیانی عرصہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ کتاب پر مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تقریظ ہے۔ تقریظ پر ۱۳۵۸ھ درج ہے (یعنی ۱۹۳۸ء)۔ اس سے یہ

ثابت ہوتا ہے کہ ۱۹۳۸ء میں مولانا کاندھلوی سیرۃ المصطفیٰ کی تصنیف سے فارغ ہو چکے تھے۔ اس بات کی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ تقسیم ہند سے پہلے یہ کتاب شائع ہوئی ہو۔ اس کے جو ایڈیشن لائبریری میں موجود ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلا ایڈیشن ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء میں انشاء اللہ پریس لاہور سے شائع ہوا۔ یہ ایڈیشن بہت معمولی کاغذ پر تھا۔ یہ تین مجلدات اور ایک ضمیمہ پر مشتمل تھا' صفحات کی تعداد ۱۲۷۱ تھی۔ اس کے بعد اسے تین جلدوں میں مکہ ببلشنگ کمپنی لاہور نے شائع کیا۔

اس کے حوالوں کا انداز قدیم کتابوں کی طرح تھا جہاں عبارت ختم ہوتی وہیں ماخذ کا حوالہ دے دیا۔ قرآنی آیات کے حوالے نامکمل تھے اور بعض مقامات پر آیات اور عربی عبارات کا اردو ترجمہ نہیں تھا۔ ۱۹۷۹ء میں مطبع اسلامیہ سعودیہ لاہور اور مکتبہ عثمانیہ لاہور کے اشتراک سے اس کا ایک ایڈیشن شائع ہوا۔ یہ ایڈیشن ناشر کے بقول مولانا کے فرزند رشید محمد میاں صدیقی صاحب کی تدوین کے بعد طبع کیا گیا۔ اس میں حوالہ جات صفحات کے نیچے کر دیئے گئے تمام قرآنی آیات کے مکمل حوالے دیئے گئے' اور جن جن آیات اور عربی عبارتوں کے اردو ترجمے نہیں تھے وہاں اردو ترجمے شامل کر دیئے۔ اس نے یقیناً کتاب کی افادیت میں اضافہ ہو گیا اس ایڈیشن کا طباعتی معیار پہلے ایڈیشنوں سے بہتر ہے یہ تین مجلدات میں ہے صفحات کی کل تعداد ۱۵۲۳ ہے۔

جلد وار اہم مباحث و مضامین کی ترتیب اس طرح ہے۔

جلد اول' حسب ذیل اہم مباحث پر مشتمل ہے۔

۱۔ سلسلہ نسب اطہر۔ حضور علیہ السلام کے آباء و اجداد کا مختصر حال۔
۲۔ واقعہ اصحاب فیل۔
۳۔ ولادت با سعادت۔
۴۔ واقعہ شق صدر۔ حقیقت۔ اسرار و حکم۔
۵۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ سے نکاح۔
۶۔ تعمیر کعبہ اور آپ کی تحکیم۔
۷۔ بدء الوحی اور تباشیر نبوت۔
۸۔ نبوت کی حقیقت۔
۹۔ السابقون الاولون۔
۱۰۔ اعلان دعوت اسلام۔

۱۱۔ معجزہ شق القمر۔

۱۲۔ ہجرت اولی ۔

۱۳۔ عام الحزن ۔

۱۴۔ طائف کا سفر۔

۱۵۔ واقعہ معراج ۔

۱۶۔ مدینہ منورہ میں اسلام کی ابتداء ۔ انصار کی پہلی بیعت ۔

۱۷۔ ہجرت مدینہ منورہ ۔

۱۸۔ تحویل قبلہ کا حکم ۔

۱۹۔ نماز عید الفطر اور نماز عید الاضحیٰ کی ابتداء ۔

جلد دوئم کے اہم مباحث

☆ جہاد فی سبیل اللہ ۔

☆ غزوات ۔

☆ سرایا ۔

☆ نزول برأت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔

☆ حجاب کا حکم۔

☆ بادشاہان عالم کے نام دعوت اسلام کے خطوط ۔

☆ اسلام اور مسئلہ غلامی ۔

☆ صلح حدیبیہ ۔

جلد سوئم کے اہم مباحث

○ فتح مکہ ۔

○ تحریم متعہ ۔

○ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا امیرحج مقرر ہونا ۔

○ حجتہ الوداع ۔

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت ۔

○ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت صلوۃ ۔

○ وصال ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔

- بیعت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔
- میراث نبوی۔
- ازواج مطہرات۔
- شبہ بالکفار کی حقیقت۔
- معجزات۔ دلائل نبوت۔
- بشارات انبیائے سابقین دربارہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اس سے پہلے سیرت پر اردو زبان میں بہت سی ضخیم اور مختصر کتابیں شائع ہو چکی تھیں۔ کسی ایسے موضوع پر مزید کوئی کتاب لکھنا، جس پر پہلے سے تحقیق اور بلند پایہ کتب موجود ہوں اس سوال کو دعوت دیتا ہے کہ کیا ان کے ہوتے ہوئے کسی نئی کتاب کی ضرورت تھی؟۔

اس سوال کا جواب مصنف خود ہی دیتے ہیں کہتے ہیں "اس دور میں اگرچہ سیرت نبوی پر چھوٹی اور بڑی بہت سے کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں لیکن ان کے مولفین اور مصنفین زیادہ تر فلسفہ جدیدہ اور یورپ کے فلاسفروں سے اس قدر مرعوب اور خوفزدہ ہیں کہ یہ چاہتے ہیں کہ آیات و احادیث کو توڑ موڑ کر کسی طرح فلسفہ اور سائنس کے مطابق کر دیں اور انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کو یہ باور کرا دیں کہ عیاذ باللہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی قول اور کوئی فعل مغربی تہذیب و تمدن اور موجودہ فلسفہ اور سائنس کے خلاف نہ تھا"

یہی وجہ ہے کہ جب معجزات اور کرامات کا ذکر آتا ہے تو جس قدر ممکن ہوتا ہے اس کو ہلکا کر کے بیان کیا جاتا ہے۔ اگر کہیں راویوں پر بس چلتا ہے تو جرح و تعدیل کے ذریعہ سے محدثانہ رنگ میں ان روایات کو ناقابل اعتبار بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، اور اسماء الرجال کی کتابوں سے جرح کر کے اقوال تو نقل کر دیتے ہیں، اور توثیق و تعدیل کے اقوال نقل نہیں کرتے جو سراسر امانت اور دیانت کے خلاف ہے اور "قراطیس تبدونها و تخفون کثیرا" کا مصداق ہے اور جہاں راویوں پر بس نہیں چلتا وہاں صوفیانہ اور محققانہ رنگ میں آ کر تاویل کی راہ اختیار کی جاتی ہے جس سے آیت اور حدیث کا مفہوم ہی بدل جاتا ہے۔ اور جب خداوند ذو الجلال کے باغیوں سے جہاد و قتال کا ذکر آتا ہے تو بہت پیچ و تاب کھاتے ہیں، اور اس کو اسلام کے چہرے پر ایک بدنما داغ سمجھ کر دھونے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسلئے اس ناچیز نے یہ ارادہ کیا کہ سیرت میں ایک ایسی کتاب لکھی جائے کہ جس میں اگر ایک طرف غیر مستند اور معتبر روایات سے پرہیز کیا جائے تو دوسری طرف کسی ڈاکٹر یا فلاسفر سے گھبرا کر نہ کسی روایت کو چھپایا جائے اور نہ کسی حدیث میں ان کی خاطر سے کوئی تاویل کی

جائے۔ اور نہ راویوں پر جرح کرکے اس حدیث کو غیر معتبر بنانے کی کوشش کی جائے۔ اس ناچیز کا مسلک یہ ہے جو آپ کے سامنے پیش کر دیا۔

فاش می گویم و از گفتہ خود دل شادم
بندہ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم (۳)

مؤلف نے اکثر مقامات پر اپنا موقف پیش کرتے وقت' جس کو انہوں نے ذخیرہ حدیث کی روشنی میں مستند سمجھا' کسی خاص سیرت نگار کا نام نہیں لیا' معذرت خواہانہ رویہ کی علی الاطلاق مخالفت کی' اور کسی مخالف کی پروا کئے بغیر تمام واقعات کو محدثانہ رنگ میں پیش کیا۔ البتہ بعض مقامات پر انہوں نے علامہ شبلی نعمانی کانام لے کر ان کے موقف کی مخالفت کی۔

مثلاً" علامہ شبلی نے اس روایت کا انکار کیا جس رات حضور علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اس رات ایوان کسری کے چودہ کنگرے گر گئے اور آتش فارس بجھ گئی۔ علامہ نے اس کی دلیل یہ پیش کی کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ روایت مذکورہ نہیں ہے۔ (۴)

مولانا کاندھلوی نے علامہ شبلی نعمانی پر بایں الفاظ جرح و تنقید کی۔

" سبحان اللہ ' یہ اس حدیث کے موضوع ہونے کی عجیب دلیل ہے کیا کسی حدیث کا بخاری مسلم اور صحاح ستہ میں موجود نہ ہونا اس کے موضوع یا ضعیف ہونے کی دلیل ہو سکتا ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے مثلاً" بلاشک صحیح حدیثوں کے لانے کا التزام کیا مگر استیعاب اور احاطہ نہیں کیا' اور کون کر سکتا ہے۔ امام بخاری وغیرہ نے کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ صحیحین یا صحاح ستہ کے علاوہ کوئی حدیث صحیح اور معتبر نہیں بلکہ کتب اصول میں امام بخاری اور امام مسلم سے اس کے بر عکس منقول ہے۔

" امام بخاری کہتے ہیں کہ میں نے اپنی اس کتاب میں سوائے صحیح حدیث نہیں لایا اور بہت سی صحیح حدیثوں کو چھوڑ دیا ہے امام مسلم کہتے ہیں کہ جو حدیثیں اس کتاب میں لایا ہوں وہ سب صحیح ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ جسکو میں نے چھوڑ دیا وہ ضعیف ہے"۔ (۵)

نیز فرماتے ہیں :

" علی ہذا کسی حدیث کا صحاح ستہ میں نہ ہونا یہ بھی کسی محدث اور عالم کے نزدیک حدیث کے موضوع ہونے کی دلیل نہیں۔ بلکہ خود علامہ شبلی نے اپنی سیرت میں صدہا ایسی روایتیں لی ہیں کہ جو نہ صحیح بخاری میں ہیں اور نہ صحیح مسلم میں ہیں اور نہ صحاح ستہ کی کسی کتاب میں ان کا پتہ ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ اصول خود علامہ کے نزدیک بھی معمول بہ اور معتبر نہیں پھر نہ معلوم کیوں

اس حدیث کو غیر معقول قرار دے رہے ہیں۔ کیا کسی روایت کا بے دلیل انکار کر دینا اسی کا نام تحقیق اور تنقید ہے۔ طبرانی اور ابو نعیم اور ابن عساکر نے باسانید متعدد حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق جل شانہ کے منجملہ اکرامات و انعامات کے یہ ہے کہ میں مختون پیدا ہوا اور میرا ستر کسی نے نہیں دیکھا۔ حافظ ضیاء الدین مقدسی نے مختارہ میں اس حدیث کو صحیح فرمایا۔ علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ حافظ مقدسی کی تصحیح حاکم کی تصحیح سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے۔ اور حافظ مغلطائی نے اس حدیث کو حسن بتایا ہے۔ ابو نعیم نے سند جید کے ساتھ ابن عباس سے روایت کیا ہے"۔ (۶)

ایوان کسریٰ میں زلزلہ آنا ' فارس کا آتش کدہ بجھ جانا اور دریائے ساوہ کا خشک ہو جانا' اس پورے واقعہ کو مولانا نے زرقانی' شرح موطا مالک' الاستیعاب لابن عبدالبر اور عیون الاثر (ابن سعید الناس) کے حوالوں سے خاص تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

علامہ شبلی نعمانی نے محمد بن عمر واقدی (م ـ ۲۰۷ھ) پر سخت تنقید کی ہے لکھتے ہیں

"واقدی کی لغو بیانی مسلمہ عام ہے ان کی شہرت بدنامی کی شہرت ہے۔ کتب سیرت کی اکثر بے ہودہ رواتیوں کا سرچشمہ انہی کی تصانیف ہیں۔ اگر واقدی سچا ہے تو دنیا میں اس کا کوئی ثانی نہیں اور اگر جھوٹا ہے تب بھی دنیا میں کوئی اس کا جواب نہیں"۔ (۷)

مولانا کاندھلوی نے واقدی پر علامہ کے اس تبصرہ پر سخت گرفت کی' لکھتے ہیں۔

"دنیا میں سیرت ' مغازی اور رجال کی کوئی کتاب ایسی نہیں جو واقدی کی روایات سے خالی ہو۔ فتح الباری' زرقانی شرح مواہب لدنیہ واقدی کی روایات سے بھری پڑی ہیں۔ اور خود علامہ شبلی نے بھی بکثرت واقدی سے استفادہ کیا ہے سیرۃ النبیؐ کے متعدد مواضع میں طبقات ابن سعد کی وہ روایتیں لی ہیں جن کا پہلا راوی ہی واقدی ہے۔ علامہ شبلی نے طبقات کے صفحے اور جلد کا حوالہ بھی دیا ہے مگر ان مواضع میں یہ نہیں بتایا کہ اس روایت کا پہلا ہی راوی واقدی ہے جس کو علامہ مشہور دروغ گو' افسانہ ساز اور ناقابل ذکر سمجھتے ہیں اور جا بجا ناقابل ذکر الفاظ سے اس کا نام لیتے ہیں۔ مگر جب علامہ اس مشہور دروغ گو سے روایت لیتے ہیں تو اس کے نام کی وضاحت نہیں کرتے۔ البتہ اس دروغ گو کے شاگرد رشید یعنی ابن سعد کے نام سے روایت لیتے ہیں جو اسی دروغ گو اور افسانہ ساز سے ہوتی ہے"۔ (۸)

مولانا نے بات کو صرف گرفت اور اعتراض کی حد تک نہیں رہنے دیا بلکہ علامہ شبلی نے جہاں جہاں ایسا کیا ہے اور قارئین سے اس بات کو مخفی رکھنے کی کوشش کی ہے کہ وہ واقدی کو ناقابل اعتبار ٹھہرانے کے باوجود اس کی روایت کو اپنی کتاب میں جگہ دے رہے ہیں۔ مولانا

کاندھلوی نے ایسے متعدد مقامات کی نشاندہی کی ہے کہ علمی دریافت کا یہی تقاضا تھا۔

مولانا لکھتے ہیں:

۱۔ اب بطور نمونہ واقدی کی چند روایات ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جن کو علامہ شبلی نے سیرۃ النبیؐ میں لیا ہے۔ قصی نے مرتے وقت حرم محترم کے تمام مناصب سب سے بڑے بیٹے عبدالدار کو دیئے۔ (طبقات ابن سعد صفحہ ۴۱ جلد ۱) سیرۃ النبیؐ صفحہ ۱۵۴ جلد ۱' علامہ نے یہ واقعہ بحوالہ طبقات ابن سعد نقل کیا ہے جو صرف واقدی سے منقول ہے۔

۲۔ عبداللہ نے ترکہ میں اونٹ' بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی تھی جس کا نام ام ایمن تھا۔ (الخ طبقات ابن سعد صفحہ ۶۲ جلد ۱ سیرۃ النبیؐ صفحہ ۱۵۸ جلد ۱) یہ واقعہ بھی طبقات میں صرف واقدی سے منقول ہے۔ واقدی کے بعد کسی سند کا ذکر نہیں ہے۔

۳۔ ابن سعد نے طبقات صفحہ ۷۱ جلد ۱ میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں تم سب سے فصیح تر ہوں کیونکہ میں قریش کے خاندان سے ہوں اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے۔ سیرۃ النبیؐ صفحہ ۱۶۲ جلد ۱۔ اس کا راوی بھی محمد عمرواقدی ہے۔

۴۔ حلف الفضول کا واقعہ سیرۃ النبیؐ صفحہ ۱۷۰ جلد ۱ پر بحوالہ طبقات ابن سعد صفحہ ۸۲ جلد ۱ مذکور ہے۔ یہ واقعہ بھی طبقات میں واقدی کی روایت سے ہے۔

۵۔ "علامہ شبلی سیرۃ النبیؐ صفحہ ۴۴۰ جلد ۱۔ پر غزوہ خیبر کے بیان میں لکھتے ہیں کہ حضور نے یہ اعلان فرمایا لا یخرجن معنا الا راغب فی الجہاد ہمارے ساتھ وہ لوگ آئیں جو طالب جہاد ہوں۔ (ابن سعد) یہ روایت بھی ابن سعد کے حوالے سے نقل کی ہے جو واقدی سے مروی ہے۔ کیا یہ علم اور امانت کے خلاف نہیں کہ جب کسی روایت کو رد کرنا چاہیں تو واقدی کا نام ذکر کر دیں۔ اگرچہ اس روایت کا راوی واقدی کے علاوہ کوئی اور ثقہ بھی ہو اور جب واقدی کی روایت لینا چاہیں تو واقدی کا نام حذف کر دیں اور اس کے شاگرد کے نام پر اکتفا کریں اور خاموشی کے ساتھ اس پر گزر جائیں"۔ (۹)

مولف نے کتاب (سیرۃ المصطفیٰؐ) کی ابتداء میں جو مقدمہ لکھا اس میں سب سے پہلے یہ بات کہی کہ۔

" ایک مسلمان اور مومن کے لئے اپنا جاننا ضروری نہیں جتنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جاننا ضروری ہے جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں جانتا وہ اپنے ایمان اور اسلام کو کیسے جان سکتا ہے۔ مومن اپنے وجود ایمانی میں سراسر وجود پیغمبر کا محتاج

ہے"۔(۱۰)

سیرۃ المصطفیٰ" اگرچہ اردو زبان میں ہے اور اردو میں سیرت کی جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کا اسلوب اور انداز بیان عربی میں لکھی جانے والی کتاب سیرت سے بہت مختلف ہے۔ لیکن زیر تبصرہ کتاب میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا انداز بیاں اور بطور خاص طرز استدلال تقریباً" وہی ہے جو عربی میں لکھی جانے والی امہات کتب سیرت کا ہے خود مصنف کا دعویٰ ہے کہ اس نے اپنی کتاب میں محدثین حضرات کے اصول اور طرز استدلال سے سرتابی نہیں کی"۔ (۱۱)

مصنف نے اپنی کتاب کا بنیادی ماخذ حدیث کو قرار دیا ہے اور کوشش کی ہے کہ سیرت کا تمام تر ذخیرہ حدیث نبویؐ سے حاصل کیا جائے۔ اس لئے اس اعتراض کا بھی جواب دیا ہے کہ کیا سارا ذخیرہ حدیث معتبر ہے یا اس میں چھان پھٹک کی ضرورت ہے۔ اور اس حدیث کی صحت اور عدم صحت کا معیار کیا ہے کس حصہ حدیث کو ہم مستند اور کس کو مشکوک کہیں گے۔ ؟

اس اشکال اور اعتراض کا مقدمہ میں جواب دیا گیا ہے جو اگرچہ مختصر ہے لیکن محکم اور مدلل ہے مصنف نے یہ دعویٰ کیا ہے "اس مختصر سیرت میں صحت ماخذ اور روایت کے معتبر و مستند ہونے کا التزام کیا ہے"۔ (۱۲)

کتاب کی اساس و بنیاد ذخیرہ حدیث پر ہے اس کا اعتراف بایں الفاظ کرتے ہیں۔

" اس سیرت میں جتنا بھی علمی سرمایہ اور ذخیرہ آپ دیکھیں گے وہ سب حضرات محدثین کا ہے اور وہی اسکے مالک ہیں ۔ یہ ناچیز انکا ایک ادنی غلام اور کمترین خادم ہے جس کا کام صرف اتنا ہے کہ ان کے جواہرات اور موتیوں کو سلیقہ سے ترتیب دے کر علم کے شائق اور خریداروں کے سامنے پیش کر دے۔ اور جس مخزن سے وہ موتی لائے گئے ہیں ساتھ ساتھ انکا پتہ بتلا دے۔ جوہری کا کام تو یہ ہے کہ جواہرات کے صندوق کے صندوق لاکر سامنے رکھ دے۔ اب ان جواہرات کے انواع و اقسام اور اصناف والوان کو علیحدہ علیحدہ کرکے ترتیب سے رکھنا یہ غلاموں اور خادموں کا کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آئمہ اور سلف کے علوم میں ترتیب نہیں ہوتی' جواہر کی طرح منتشر اور بے ترتیب ہوتے ہیں اور متاخرین کے کلام میں تبویب اور ترتیب ہوتی ہے۔ چونکہ اس علم میں حضرات محدثین ہمارے استاد ہیں اور ہمارے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے درمیان وہی واسطہ ہیں۔ اس لئے محدثین کے اصول و قواعد کا اتباع ضروری اور لازم سمجھا۔

کما قال تعالی

"ھل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشدا" (۱۳)

اسلئے آپ انشاء اللہ العزیز اس کتاب میں کسی جگہ حضرات محدثین کے اصولوں سے انحراف اور سرتابی نہ پائیں گے۔ ایسے آباء و اجداد کا اتباع جو ۔ لا یعقلون شیا" و ولا یھتدون "نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں" کے مصداق ہوں بے شک مذموم ہے ۔(۱۴) لیکن اگر کسی کے روحانی یا جسمانی آباء و اجداد صاحب عقل اور صاحب ہدایت ہوں تو پھر ان کے اتباع کے مستحسن بلکہ ضروری ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

بعض ایسے واقعات کی توضیح و تشریح مولانا نے بہت واضح طریقے سے کی ہے۔ جن کی وضاحت میں بڑے بڑے اہل علم پریشان نظر آتے ہیں ان میں شق صدر کا واقعہ اور "ما انا بقاری" کا واقعہ سر فہرست ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر جب حضرت جبرئیل علیہ السلام پہلی وحی لے کر آئے اور انہوں نے کہا کہ ۔ اقرا (پڑھیئے) اور آپ نے اس کے جواب میں فرمایا" ما انا بقاری " میں پڑھا ہوا نہیں۔ جبرئیل امین نے دوبارہ یہی کہا اور آپ نے یہی جواب دیا۔ لیکن تیسری بار آپ نے جبرئیل امین کے بولے ہوئے الفاظ دھرادیئے۔ اس سے یہ اشکال لازم آتا ہے کہ جب آپ دو مرتبہ نہیں پڑھ سکے تو تیسری مرتبہ کیسے پڑھا؟ اور دوسرے یہ کہ امی لکھا ہوا نہیں پڑھ سکتا لیکن کسی سے زبانی الفاظ سن کر انہیں دھرا تو سکتا ہے۔

" ما انا بقاری " کے بظاہر معنی یہ ہیں کہ میں پڑھا ہوا نہیں لیکن اس معنی میں اشکال یہ ہے کہ قرات یعنی زبان سے پڑھنا امیت کے منافی نہیں ۔ امی شخص بھی کسی کی تعلیم و تلقین سے قرات اور تلفظ کر سکتا ہے ۔ خصوصاً" جب کہ فصاحت و بلاغت اس کی غلام ہو۔ امیت کتابت کے منافی ہے ۔ امی شخص لکھی ہوئی تحریر کو نہیں پڑھ سکتا ہے ۔ پس اگر جبرئیل امین کوئی لکھی ہوئی تحریر لے کر آئے تھے کہ جس میں یہ آیتیں لکھی ہوئی تھیں اور اس کی نسبت یہ کہتے تھے کہ اقراء یعنی اس تحریر کو پڑھو ۔ تو پھر اس کے جواب میں ما انا بقاری کہنا ظاہر اور مناسب ہے جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ جبرئیل ایک تحریری صحیفہ لے کر آئے جو جواہرات سے مرصع تھا اور وہ صحیفہ آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ اقراء یعنی اس حریری صحیفہ کو پڑھیئے ۔ آپ نے فرمایا کہ ما انا بقاری یعنی میں امی ہوں لکھی ہوئی تحریر کو پڑھ نہیں سکتا۔

بعض مفسرین کا قول ہے الم ذالک الکتب لا ریب فیہ میں اسی کتاب کی طرف اشارہ ہے جس کو جبرئیل امین لے کر آئے تھے اور اگر جبرئیل امین کوئی تحریر لے کر نہیں آئے تھے اور اقراء سے کسی لکھی ہوئی تحریر کا پڑھنا مطلوب نہ تھا۔ بلکہ محض زبان سے قرات اور تلفظ مطلوب تھا تو اس صورت میں ما انا بقاری کے یہ معنی نہیں کہ میں امی ہوں پڑھا ہوا نہیں ۔ بلکہ یہ معنی

ہیں کہ وحی کی ہیبت اور دہشت کی وجہ سے پڑھ نہیں سکتا۔ رویت ملک اور مشاہدہ انوار وحی کی وجہ سے قلب پر اس درجہ ہیبت اور دہشت طاری ہے کہ زبان اٹھتی نہیں، کس طرح پڑھوں جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کیف اقراء اس بناء پر ہم نے ما انا بقاری کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ میں پڑھ نہیں سکتا جو اس معنی کے بھی مناسب ہے اور پہلے معنی کے ساتھ بھی درست ہو سکتا ہے۔"(۱۵)

اردو کے بہت کم سیرت نگاروں نے شق صدر کی بحث کو چھیڑا ہے۔ اس کو نہ چھیڑنے میں بھی یہی ذہنی خلش اور فکری دباؤ کارفرما ہے کہ معترضین اور اہل مغرب کے سامنے کیسے ثابت کریں گے کہ کسی شخص کا سینہ چاک کیا جائے، اسے دھویا جائے اور پھر سی دیا جائے اور ایسا ایک بار نہیں متعدد بار ہو۔ اور یہ سب کچھ کسی طبی امداد کے بغیر ہو۔ علامہ شبلی نعمانی نے بھی سیرۃ النبی میں واقعہ شق صدر کا بالکل ذکر نہیں کیا مولانا کاندھلوی نے اس واقعہ کو بڑے شرح و بسط اور مضبوط دلائل کے ساتھ لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ واقعہ چار مرتبہ پیش آیا اور اپنی اصل اور ظاہر پر معمول ہے اس میں کسی تاویل کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی اسے تمثیل قرار دیا جا سکتا ہے۔ بحث کو سمیٹتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں۔

الحاصل

یہ چار مرتبہ کا شق صدر تو روایات صحیحہ اور احادیث معتبرہ سے ثابت ہے اور بعض روایات میں پانچویں مرتبہ بھی شق صدر کا ذکر آیا ہے کہ بیس سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شق صدر ہوا مگر یہ روایات باجماع محدثین ثابت اور معتبر نہیں۔

شق صدر کی حقیقت

علامہ قسطلانی مواہب میں اور علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں۔

"یہ جو کچھ مروی ہوا یعنی شق صدر اور قلب مبارک کا نکالنا وغیرہ وغیرہ اس قسم کے خوارق کا اسی طرح تسلیم کرنا واجب اور لازم ہے جس طرح منقول ہوئے۔ ان کو اپنی حقیقت سے نہ پھرنا چاہیے اللہ کی قدرت سے کوئی شئے محال نہیں۔ امام قرطبی اور علامہ طیبی حافظ تورپشتی حافظ عسقلانی علامہ سیوطی اور دیگر اکابر علماء بھی یہی فرماتے ہیں کہ شق صدر اپنی حقیقت پر محمول ہے اور حدیث صحیح اس کی موید ہے۔ وہ یہ کہ حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام سیون یعنی سلائی کا نشان حضور کے سینہ مبارک پر اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ بعض جہلاء عصر کا شق صدر سے منکر ہونا اور بجائے حقیقت کے اس کو امر معنوی پر محمول کرنا (جیسا کہ

اس زمانہ کے بعض سیرت نگار کہتے ہیں کہ شق صدر سے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ شرح صدر کے معنی مراد ہیں) ۔ یہ صریح جہالت اور سخت غلطی ہے جو حق تعالی کی عدم توفیق اور علوم فلسفہ میں انہماک اور علوم سنت سے بعد اور دوسری کسی وجہ سے پیدا ہوئی ہے ۔ اللہ تعالی ہم سب کو اس سے محفوظ فرمائے۔ آمین

خلاصہ کلام یہ کہ شق صدر سے حقیقتاً سینہ کا چاک کرنا مراد ہے ۔ شق صدر سے شرح صدر کے معنی مراد لینا جو کہ ایک خاص قسم کا علم ہے صریح غلطی ہے ۔ شق صدر حضور کے خاص الخاص معجزات میں سے ہے اور شرح صدر حضور کے ساتھ مخصوص نہیں ۔ ابو بکر و عمر کے زمانے سے لے کر اب تک بھی علماء صالحین کو شرح صدر ہوتا رہا ہے ۔ نیز اگر شق صدر سے شرح صدر کے معنی مراد ہوں جو کہ ایک امر معنوی ہے تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہو گا کہ سیون کا نشان جو آپ کے سینہ مبارک پر تھا صحابہ کرام اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے ' کیا شرح صدر سے سینہ پر سلائی کے نشان نمودار ہو جاتے ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔ (۲۶)

جہاد کے بارے میں بھی بعض اردو سیرت نگاروں کا رویہ مخالفین اسلام کے سامنے خاصا معذرت خواہانہ ہے ۔ انہوں نے اسلامی جہاد کو دفاعی جنگ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ۔ مولانا کاندھلوی نے یہاں بھی دو ٹوک انداز میں بات کی ہے ۔ انہوں نے واضح کیا کہ جہاد اقدامی بھی ہوتا ہے اور دفاعی بھی۔ جہاد کی بحث میں مولانا نے یہ بات بھی واضح کی جو جنگ اللہ کے وفادار اللہ کے دشمنوں سے صرف اس لئے کریں کہ وہ اللہ کے احکام کی بے حرمتی کر رہے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے بغاوت پر آمادہ ہیں ' مسلمانوں کی جان و مال کو ان سے خطرہ ہے ایسی جنگ جہاد کہلائے گی ۔ اسلامی حکومت قائم کرنے ' یا اس کے تحفظ کے لئے جو جنگ کی جائیگی وہ جہاد ہے ۔ قوم اور وطن کے نام پر جو جنگ کی جائے گی وہ جہاد نہیں کہلائے گی۔

جہاد کی تعریف اور توضیح و تشریح کے بعد غزوات کا بیان ہے۔ غزوات میں غزوہ اول یعنی غزوہ بدر اور غزوہ احد کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے ۔ میرے علم اور تفحص کی حد تک اردو کی کسی بھی کتاب سیرت میں غزوہ بدر پر اتنی تفصیلی بحث نہیں کی گئی ۔ بعض جزئیات تک کا احاطہ کیا گیا ہے ' تمام شرکائے بدر کے نام دیئے ہیں اور اس امتیاز اور تجزیہ کے ساتھ کہ ان میں کتنے مہاجر تھے اور کتنے انصار۔

علامہ شبلی نعمانی کے بعض تسامحات کی نشان دہی

کتب سیرت اور کتب حدیث میں یہ واقعہ سبھی سیرت نگاروں نے نقل کیا ہے کہ پہلی وحی کے نزول کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک پر تفکر اور پریشانی کی جو کیفیت طاری ہوئی تھی اس کو رفع کرنے اور اس بات کی تصدیق کرانے کے لئے کہ آپ کو نبوت و رسالت سے نوازا گیا ہے حضرت خدیجہ الکبری ورقہ بن نوفل کے پاس لے کر گئی تھیں ۔ ورقہ نے تمام واقعہ سننے کے بعد کہا لئن کنت صدقتنی انہ لیاتی ناموس عیسی (اے خدیجہ ! اگر تو سچ کہتی ہے تو تحقیق انکے پاس وہی فرشتہ آتا ہے جو عیسیٰ کے پاس آتا تھا)

ورقہ بن نوفل کی اس تصدیق کو راوی نے ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے فلما سمع کلامہ ایقن بالحق و اعترف بہ (ورقہ نے جب آپ کی بات سنی تو سنتے ہی حق کا یقین آگیا ' ورقہ نے اس حق کا اعتراف کیا)۔

یہاں علامہ شبلی سے جو تسامح ہوا اس کی وضاحت مولانا بایں الفاظ کرتے ہیں ۔

" سمع اور یقین اور اعتراف کی تمام ضمائر ورقہ کی طرف راجع علامہ شبلی نے تمام ضمائر کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف راجع سمجھ کر اس طرح ترجمہ کیا۔"جب آپ نے ورقہ کا کلام سنا تو آپ کو حق کا یقین آگیا اور آپ نے اس کا اعتراف کیا" سیرۃ النبی صفحہ ۱۸۹ جلد تقطیع خورد ۔ علامہ شبلی نے یہ سمجھا کہ حضور پر نور کو اپنی نبوت و رسالت میں شک تھا ورقہ کے کہنے سے آپ کو اپنی نبوت کا یقین آیا۔ علامہ شبلی کا یہ خیال بالکل غلط ہے حضور پر نور کو اپنی نبوت و رسالت کا اول ہی میں علم اور یقین حاصل ہو گیا تھا جب جبرئیل امین غار حرا میں داخل ہوئے تو اولا آپ کو سلام کہا جیسا کہ ابو داؤد طیالسی کی روایت میں ہے دیکھو زرقانی صفحہ ۲۱۱ جلد ا' وفتح الباری صفحہ ۳۱۳ جلد ۱۲ ۔ کتاب التعبیر اور پھر آپ کو رسالت الہیہ کی بشارت دی یہاں تک کہ آپ مطمئن ہو گئے ۔ پھر آپ سے کہا کہ اقراء ' اور سورہ اقراء کی آیتیں آپؐ کو پڑھائیں ۔ بعد ازاں جب آپ غار حرا سے واپس ہوئے تو پھر ہر شجرو حجر میں سے السلام علیک یا رسول اللہ کی آوازیں آپ سنتے تھے دیکھو خصائص کبری صفحہ ۹۳-۹۴ جلد ا۔ غرض یہ کہ ان تمام امور سے آپکو اپنی نبوت کا یقین کامل حاصل ہو چکا تھا ۔ البتہ ورقہ کو آپ کا کلام سننے کے بعد آپ کی نبوت کا یقین آیا اور پہچان لیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی توریت ور انجیل میں بشارت دی گئی ہے ' اور آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی۔ علامہ نے غلطی سے سمع و یقین و اعتراف کی ضمیر بجائے ورقہ کے حضور پر نور کی طرف راجع کیں اور غلطی میں مبتلا ہوئے۔"(۱۷)